سہرورد

سلسلہ ۱

— زیرِ نگرانی —

محمد نذیر غوری ہجویری سہروردی
ثم لاھوری

سہروردیہ فاؤنڈیشن (ٹرسٹ) کا ترجمان

سہرورد

سلسلہ نمبر ۱، ربیع الاول ۱۴۰۷ھ بمطابق نومبر ۱۹۸۶ء

بیاد

حضرت شرف الدین باباجنگو شاہ قلندرؒ قدس سرہٗ

حجت الکاملین حضرت میاں غلام محمد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

مجدد سلسلۂ سہروردیہ حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ

فہرست

سہرورد اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے علوم شریعہ کے متعلق اظہار کا حامی ہے ۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ۔

رابطہ :- فنون پریس ۔ ۳۵ رائل پارک، لاہور ۔ پاکستان ۔ فون ۲۲۲۷۸۴

اداریہ

گلاب کا پھُول

شُہر ورد کا ایک مطلب ہے گلاب کا پھول ــــ جس طرح سلسلۂ شُہر وردیہ نے عالم تصوف کی بیکراں وسعتوں میں ایک لازوال روحانی قوسِ قزح پیدا کی ہے۔ گلشن اسلام میں جریدہ "شُہر ورد" انشاءاللہ اسی طرح پاکیزہ خوشبوؤں کا اک لافانی جہاں پیدا کرے گا۔

نئے جہان سنگ وخشت سے پیدا نہیں ہوتے۔ اس معجزے کی تعمیر میں نظریات کی طہارت، جذبوں کی استقامت اور عمل کی صلابت بنیادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں کردار میں ثبات نہ ہو تو تمام انسانی اقدار متزلزل ہو جاتی ہیں۔ خوبصورتی اور بدصورتی سچ اور جھوٹ، سفیدی اور سیاہی ہر چیز کے معیار اور معنی بدل جاتے ہیں۔ بصیرت اور بصارت تاریکیوں میں ڈوبنے لگتی ہے اور صالح عمل کی ہر قوت اضمحلال کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

"سہر ورد" اسلام کے اس مثالی جہان محبت و مساوات کی تجدید کا علمبردار ہے۔ جس کی ایک جھلک چشمِ عالم میں ابھی تک تصویر بنی ہوئی ہے اور یہ معجزۂ فن اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ قرآنی حکمت اور اسلامی فکر کی تلاش و جستجو نگاہِ مردِ مومن کا مطلوب و مقصود نہ بن جائے۔

اب گلستانِ قلم و قرطاس میں سہر ورد ــــ گلاب کا پھول ــــ کھلا ہے۔ تو آیئے سچائی کے آبِ زم زم سے اس کی آبیاری اس طرح کریں.... تفکر کے ہیرے سے اسے اس طرح تراشیں اور عشقِ صادق کی مہک سے اس طرح مُعطر کر دیں کہ یہ نو دمیدہ گلاب کا پھول ــــ "سہر ورد" ــــ ہمارے صحرا نصیب خوابوں کے چمن میں تعبیر کی بہار اور مہکار بن کر پھیل جائے۔

ظفر علی راجہ

حضرت امام بخاریؒ اور علمِ حدیث

۲۹ ستمبر ۱۹۸۶ء کو ادارہ معارف الحدیث کے زیرِ اہتمام ایک مجلسِ مذاکرہ پاکستان نیشنل سنٹر میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت علامہ سید محمد متین ہاشمی صاحب (ممبر نظریاتی کونسل و ڈائریکٹر مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری) نے کی۔ مجلس مذاکرہ کا عنوان تھا۔ "حضرت امام بخاریؒ اور علم حدیث"۔ محترم سید اویس علی سہروردی صاحب نے حضرت امام بخاریؒ کا سوانحی خاکہ پیش کیا۔ چونکہ آپ کی حیات کے کئی ایک پہلو ایک جگہ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اس لئے انہیں ٹیپ سے اتار کر ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

نوٹ:۔ اس خاکے کے بعد جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب (ڈائریکٹر پنجاب پبلک لائبریز) نے امام کی علمی خدمات پر جو مبسوط مقالہ پیش کیا تھا۔ وہ ہدیۂ قارئین کیا جائیگا

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ۔
قال سبحانہ و تعالیٰ فی قرآن مجید ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم واقع اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی (اختیار) کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔

صدق اللہ العظیم۔

جناب صدر مجلس حضرت علامہ سید متین ہاشمی صاحب، جناب مہمان خصوصی عبد الجبار شاکر صاحب، ادارہ معارف الحدیث کے کارکنان اور معزز سامعین کرام۔

اس سے پہلے کہ میں حضرت امام المحدثین قدس سرہ العزیز کا سوانحی خاکہ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ میں دو نکات پر آپ سے گفتگو کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔ اور وہ دو نکات ہیں۔ اللہ کا شکر اور اتباع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابھی جو آیت کریمہ میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کامل اتباع کا حکم فرمایا ہے کہ جس کا ثمر خالق ارض و سما، مالک کون و مکاں جل و علا شان کی بندے سے محبت ہے۔ یعنی اللہ کی محبت اتباع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے مشروط ہے۔ مختصر یہ کہ جتنا کوئی بندہ نبیؐ مکرم علیہ صلات و سلام کی اتباع میں کامل ہوگا۔ اتنی ہی محبت اللہ تعالے اس بندے سے کرے گا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ زمیں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

صاحبان ذی وقار

انسان خاکی کی خاک کا ہر ذرہ ذرہ اور اس کے مرکب جسم کے خون کا ہر ہر قطرہ پروردگار عالم کی بے شمار احسان مندیوں اور رحمتوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہر مسلمان پر سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس کو ایمان و ایقان اور دین و قرآن کی دولت سے سرفراز فرمایا گیا اور اپنے حبیب مکرم صاحب لولاک سید المرسلین، رحمتہ اللعالمین سرور کائنات، مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور

فرمانبرداروں میں پیدا کیا۔ یہ وہ عزت افزائی اور سرفرازی، جس کے سامنے ہر نعمت ہیچ ہے اور جس قدر بھی شکر اس نعمت کا ادا کیا جائے، کم ہے۔ حقیقتاً انسان شکر گزاری کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو ہی نہیں سکتا اور اس شکر گزاری کی پہلی کڑی ان بزرگان دین کا بھی شکر ادا کرنا ہے۔ جن کے ذریعہ سے یہ دولت ہمیں نصیب ہوئی۔ کیونکہ حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہِ یعنی جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ خدا کا شکر گزار بھی نہیں ہو سکتا۔

ان بزرگان دین کے اس احسان عظیم کا حقیقی شکر تو یہ ہے کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں اور جو جدوجہد انہوں نے دین کے تحفظ و بقا کے لئے میدان تبلیغ میں کی ہے اس میں ان کے شریک کار و حال بنیں اور وہی دولت ایمان و ایقان اور دین و قرآن، جو ان کی پاک جانوں اور مقدس نفوس کے صدقہ میں ہم تک پہنچی ہیں۔ ہم بھی دوسروں تک پہنچانے کی کامل سعی کریں اور ادنیٰ درجہ کی شکر گزاری یہ ہے کہ اپنے آپ میں بصورت عمل ان کے ناموں اور کارناموں کو روشن رکھیں۔

ایسی ہی ایک مقدس اور عظیم ہستی۔

جامع صحیح بخاری کے مرتب و مولف امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری علیہ الرحمۃ ہے۔ آپ ۱۹۶ھ میں، مقام بخارا ماہ شوال کی ۱۳ تاریخ کو جمعہ کے دن بعد از نماز جمعہ پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک انتہائی غریب خاندان سے تھا۔ پتلے دبلے اور درمیانے جسم کے نہایت حیادار، شجاع، سخی، عابد و زاہد، شریف النفس، کم گو اور کریم الطبع انسان تھے۔

امام بخاریؒ نے دس سال کی عمر میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کرنے کے بعد حصول علم کی غرض سے عالم اسلام کے تمام بڑے بڑے مراکز اور دار الخلافوں میں گئے اور اس طویل سفر کے دوران آپ نے ایک ہزار سے زائد علماء سے احادیث سنیں۔ امام نے خود لکھا ہے کہ میں نے ایک ہزار اسی ۱۰۸۰ علماء سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

خطیب بغدادیؒ نے امام بخاریؒ کے طلب حدیث کے واقعات خود ان کی اپنی زبانی نقل کیے ہیں۔ امام بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بنایا ہی حفظ حدیث کے لیے تھا۔ ابھی میری عمر صرف دس سال تھی کہ میں محدث زمانہ امام داخلیؒ کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگا تھا۔ ایک دن امام داخلی کی زبان سے یہ سند نکلی ـــ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیمؒ ـــ میں نے فوراً ٹوکا اور عرض کیا: ابو الزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے ہیں۔

استاد داخلیؒ نے مجھے ڈانٹ دیا۔ میں نے پھر عرض کیا۔ آپ براہ کرم اپنے اصل مسودہ کو ایک مرتبہ ضرور ملاحظ فرمالیں۔ انہوں نے میرے اصرار پر جاکر اپنا اصل نسخہ دیکھا۔ اور واپس آکر فرمایا: کہو میاں صاحبزادے پھر آخر یہ سند کس طرح ہے۔ میں نے کہا: ابراہیم سے روایت کرنے والے زبیر بن عدی ہیں۔ ابو الزبیر درست نہیں ہے۔ داخلیؒ نے اسی وقت اپنے نسخہ کی اصلاح کرلی اور فرمایا کہ جو تم نے کہا وہی درست ہے۔ اس وقت امام کی عمر دس سال پورے ہو کر گیارہواں جا رہا تھا۔ جب آپ کی عمر سولہ سال ہوئی، تو آپ اس وقت تک حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور امام وکیعؒ کی جمع کردہ تمام حدیثیں حفظ کرچکے تھے اور اپنی عمر کے اٹھارویں سال میں آپ نے کتاب التاریخ کی تصنیف شروع کردی تھی۔ جس میں صحابہ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور فیصلے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے قریب بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی تھی۔

امام بخاریؒ کی جودت طبع اور قوت حفظ کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی تحریر صرف ایک مرتبہ دیکھنے سے آپ کو حفظ ہو جاتی تھی۔

امام کے ایک ہم عصر محدث حامد بن اسماعیلؒ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ ہمارے ہمراہ مشائخ بلخ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس وقت آپ ابھی ایک نوعمر لڑکے تھے۔ آپ اساتذہ کی مجالس میں لکھتے کچھ نہیں تھے۔ ہم لوگ اکثر ان کو ملامت کیا کرتے۔ کہ جب تم لکھتے نہیں ہو تو درس میں کیوں شریک ہوتے ہو؟ اور کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو؟ تقریباً سولہ دن اسی حالت میں گزر گئے، ہم لوگ مسلسل آپ کو اس بات پر ٹوکتے رہے۔ آخر سترہویں دن امام نے ہماری باتوں سے پریشان ہو کر کہا کہ تم لوگوں کی ملامت

اور سرزنش کی حد ہوگئی ۔ اچھا لاؤ جو کچھ تم نے لکھا ہے دکھاؤ! ہم اس مدت میں تقریباً پندرہ سو حدیثیں لکھ چکے تھے ۔ ہم نے وہ سب حدیثیں نکال کر سامنے رکھ دیں ۔ لیکن امام نے ان کی طرف دیکھے بغیر وہ تمام احادیث فرفر زبانی سنا دیں اور اتنی صحیح کہ ہم نے آپ کی یادداشت سے اپنی احادیث کی غلطیوں کو درست کیا ۔

امام کے اس خداداد حفظ و ذکا کا اس قدر شہرہ ہو چکا تھا کہ آپ جہاں جاتے، آپ سے پہلے آپ کا نام اور آپ کے عجائبات پہنچ چکے ہوتے ۔ لوگ مختلف طریقوں سے آپ کا امتحان لیتے لیکن مجلس کے اختتام پر سب کو اعتراض کرنا پڑتا کہ جو کچھ آپ کے متعلق ہم نے سنا تھا ۔ آپ کا فضل وکمال اس سے کہیں بڑھ کر ہے ۔ آپ کی نوعمری اور یہ بزرگانہ علم دیکھ کر دنیا محوِ حیرت تھی ۔ بڑے بڑے شیوخ و محدثین نے امام سے ایسے وقت میں شرف تلمیذ حاصل کیا جبکہ ابھی آپ کے چہرے پر آغاز شباب کا ایک خط بھی نمودار نہ ہوا تھا ۔ چنانچہ شیخ ابوذرعہؒ، ابوحاتمؒ، محمد بن نصرؒ، ابن خزیمہؒ، امام ترمذیؒ اور امام مسلمؒ آپ کے اسی دور کے شاگردوں میں شامل ہیں ۔

ابراہیم خواصؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوذرعہؒ کو امام بخاریؒ کے سامنے بچوں کی مانند علل حدیث دریافت کرتے دیکھا ہے ۔

امام دارمیؒ ـــــ جن کے امام بخاریؒ خود بھی معتقد تھے ـــــ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری فن حدیث میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے اور خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ عقلمند ہیں ۔ سچ یہ ہے کہ امام کا مثل نہیں ۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سرزمین خراسان نے امام بخاری جیسا شخص پیدا نہیں کیا ۔

ابن المدینیؒ کا قول ہے کہ امام بخاریؒ نے خود بھی اپنے جیسا شخص نہیں دیکھا ۔

احمد بن حمدون القصارؒ کہتے ہیں کہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ امام مسلم بن الحجاجؒ امام بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا: ۔ اے استاذ الاساتذہ! اور اے امیر المحدثین وطبیب الحدیث مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی قدم بوسی کر لوں ۔

ابن خزیمہؒ کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے بڑھ کر حدیث کا عالم وحافظ کوئی دوسرا نہیں ۔

آپ کے نوادر خصائص میں سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے زندگی بھر کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ کسی کو نقصان پہنچایا۔ آپ خود کہا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے روز حساب مجھ سے غیبت کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی۔

امام بخاریؒ امراء و سلاطین سے ہمیشہ دور رہے۔ امیر بخارا خالد بن احمد نے آپ سے یہ خواہش ظاہر کی۔ امام اس کے پاس آکر حدیث سنایا کریں اور ایک مجلس خاص میں اس کے بچوں کو حدیث کی تعلیم دیا کریں۔ جس میں کوئی دوسرا شریک درس نہ ہو۔ آپ نے اس کی دونوں فرمائشیں رد کر دیں اور فرمایا، علم جا کر حاصل کیا جاتا ہے اور میری مجلس میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں، ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ یہاں آکر علم نبوت سے استفادہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر بخارا اور امام کے درمیان تلخیاں اور ناگواریاں پیدا ہو گئیں اور بالآخر اسی وجہ سے امام بخارا چھوڑ کر قصبہ خرتنگ میں پناہ لینا پڑی۔ جو سمرقند سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ وہیں آپ بیمار ہوئے اور ۲۵۶ھ میں باسٹھ سال کی عمر پا کر عید الفطر کی رات کو انتقال فرما گئے۔ وہیں آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

آپ کے واقعات وفات میں سے یہ امر نہایت تعجب انگیز ہے کہ جب لوگ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر آپ کو سپرد خاک کر چکے تو قبر سے مشک کی طرح مہکتی ہوئی خوشبو پیدا ہوئی اور ایک مدت تک لوگ برابر قبر پر آتے جاتے رہے اور قبر کی مٹی کو مشک کی طرح سونگھتے رہے۔

ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کے تشریف فرما ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ حضورؐ نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ یہاں کس وجہ سے رونق افروز ہیں۔ فرمایا ہم محمد بن اسماعیل بخاریؒ کے منتظر ہیں۔ چند روز کے بعد میں نے سنا کہ بخاری کا اسی تاریخ کو انتقال ہوا۔

آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

جامع صحیح بخاری، تاریخ صغیر، تاریخ اوسط، تاریخ کبیر، کتاب الکنیٰ، کتاب الواحدان، کتاب الادب المفرد وغیرہ۔

جامع صحیح بخاری آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔

یہ کتاب امام ابو عبد عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ نے ان چھ لاکھ حدیثوں میں انتخاب کرکے مرتب کی ہے جو آپ نے اپنی پوری زندگی میں بلاد اسلامیہ کا طویل طویل سفر کرکے جمع کی تھیں۔ اس انتخاب میں آپ نے جن کڑی شرائط کا التزام کیا ہے اور جس شدید احتیاط و اہتمام سے کام لیا ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ آپ کی جمع کردہ چھ لاکھ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے اس مجموعے میں صرف سات ہزار تین سو ستانوے ۷۳۹۷ حدیثیں جگہ پا سکیں۔ ان میں سے اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو یہ تعداد محض دو ہزار چھ سو دو ۲۶۰۲ رہ جاتی ہے۔ البتہ اس تعداد میں معلق روایات، متابعات اور موقوفات کو شمار نہیں کیا گیا۔ اس لحاظ سے پورے وثوق و اعتماد سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس کتاب میں امام بخاریؒ کی سعی و احتیاط کی حد تک کوئی غیر صحیح حدیث موجود ہی نہیں کیونکہ اس میں آپ نے صرف وہ حدیث درج کی ہے۔ جس کے متعلق آپ کو یہ اطمینان تھا کہ یہ متفقہ طور پر کسی مشہور صحابی تک پہنچ رہی ہے اور جس کے متصل الاسناد ہونے میں علمائے حدیث کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔

عبدالقدوس ابن ہمام رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے تراجم ابواب ریاض الجنۃ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک اور مقام ممبر کے درمیان بیٹھ کر تحریر کئے تھے۔

اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ نوے ہزار محدثین نے اس کو خود امام بخاریؒ سے سُنا، اس کی ترپن ۵۳ شرحیں لکھی گئیں۔ جن میں سے بعض شروع چودہ چودہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں، بائیس مستخرج اور متعدد مستدرک مرتب کئے گئے ـــــ جامع صحیح بخاریؒ کے محاسن و کمالات اس پر بس نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اگر تمام احوال و کوائف کو جمع کیا جائے تو ایک سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے۔

آخر میں اس نشست کے حوالے سے آپ پر یہ یاد کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ایسی مجالس کے منعقد کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ سنیں، اس پر عمل کرنے کی بھی کامل سعی کریں ورنہ یہ سماع خراشی سے بڑھ کر کچھ نہ ہوگا۔

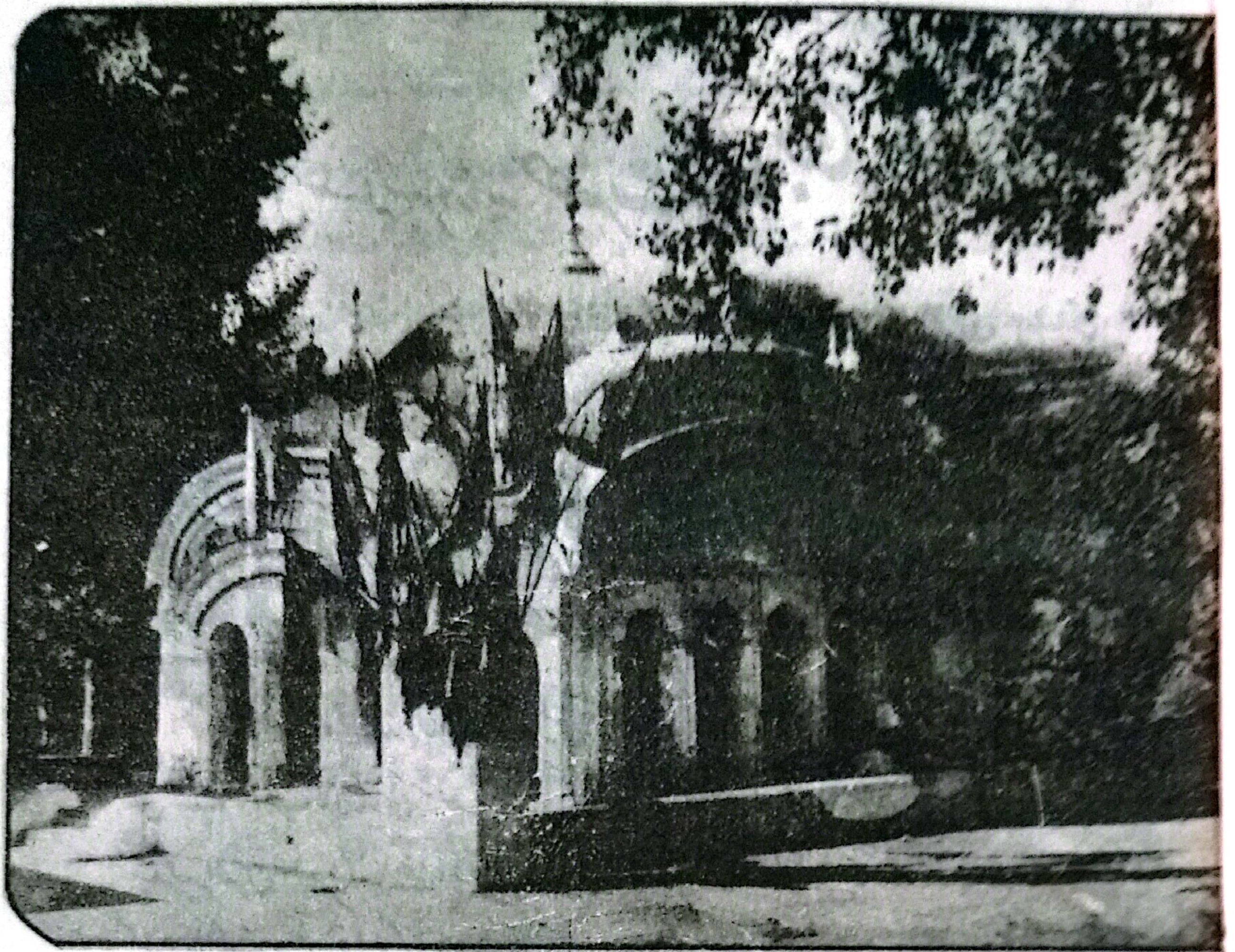
دوسرا یہ کہ اسے دوسرے بھائیوں تک بھی پہنچائیں کیونکہ ہمارے گرد و پیش کے حالات اسی امر کا تقاضا کر رہے ہیں کہ صوفیاء کرام اور اہل طریقت سب کے سب اپنے

اندر وہی سرگرمی اور جذبۂ دعوت و تبلیغ پیدا کریں جو متقدمین میں پایا جاتا تھا اور جس کی بدولت، خاص کر ظلمت کدۂ ہندوستان نور اسلام سے منور ہوا۔ ہم میں کون ایسا ہے جو حضرت علی ہجویریؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت عبد الحق محدث دہلوی اور حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردیؒ کے نام سے واقف نہیں۔ کیا ان کی زندگی کا نمایاں پہلو تبلیغ اسلام نہیں اور کیا انہوں نے اس فریضہ کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف کو صبر اور شکر کے ساتھ برداشت نہیں کیا۔ کیا آپ نے ان کی زندگیوں پر کچھ غور و فکر کیا اور کیا آپ نے کہیں دیکھا کہ فرض سے کوتاہی کی خاطر انہوں نے مصلحت وقت، حالات کی مساعدت اور قوم کی ہمنوائی کا عذر پیش کر کے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر ہم میں یہ تساہل اور غفلت کیوں ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے فرائض کو سمجھیں اور ان کی صدا پر لبیک کہیں۔

اس مقصد کی خاطر ہمیں اپنے اندر اتحاد و یک جہتی پیدا کرنی اور ایک مرکز پر جمع ہونا ہوگا۔ اپنے تمام اختلافات کو دلوں سے محو کر کے اسلام اور تبلیغ اسلام کے لئے بڑے سے بڑے ایثار اور عظیم الشان سے عظیم الشان قربانی دینی ہوگی۔ کیونکہ وہ فرض، جس کی جانب سے ہمارے مسلم بادشاہوں نے تغافل برتا۔ آج اس کی تکمیل کا وقت آگیا ہے۔ ہندوستان کے کروڑوں اچھوت اور اونچی جاتی کے کروڑوں انسان مائل بہ اسلام ہیں۔ دنیا کی موجودہ سیاسی و معاشری کش مکش دنیا کو اسلام کے قریب تر لا رہی ہے۔ فقط ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مستعد ہو کر میدان میں نکلیں اور وہ کام جو ہمارے ذمہ عائد ہو چکا ہے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

شنیدم ہر چہ از پاکان امت　　　ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

وآخر دعوانا ــــــ



مزار اقدس:۔ سرخیلِ سلسلہ سہروردیہ حضرت بابا جنگلو شاہ قلندرؒ

(ملوکھوکھر۔ بھمبر روڈ گجرات)

سرخیلِ سلسلہ سہروردیہ حضرت بابا جنگو شاہ قلندرؒ

تحریر :۔ محمد نذیر غوری ہجویری، سہروردی

مشہور تصنیف ”تذکرۂ غوثیہ“ میں بحوالہ حضرت قلندر علی پانی پتیؒ مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قلندر کے مقام پر میں نے دو بزرگوں کو دیکھا ہے جو اپنے مقام پر کامل تھے۔ ان میں سے ایک شرف الدین قلندرؒ (بو علی قلندر) ہو گزرے ہیں اور دوسرے بابا جنگو شاہ قلندر رحمۃ اللہ ہمارے زمانے میں موجود ہیں۔

بابا جنگو شاہ قلندرؒ پنجاب کے جلیل القدر بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا نام بھی شرف الدین ہی ہے۔ آپ کا ابتدائی مشغلہ ڈاکہ زنی تھا۔ اسی سلسلے میں ایک مرتبہ آپ زخمی ہو کر حضرت سید کبیر الدین المعروف شاہ دولا دریائیؒ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر آ کر چھپ گئے اور متواتر کئی روز تک وہیں قیام کیا۔ اللہ تعالےٰ نے چونکہ آپ کو ہدایت دینی تھی۔ اس لئے سبب یہ بنا کہ ایک رات حضرت شاہ دولا دریائی رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اگر توبہ کرتے ہو تو ابھی تمہارے زخموں کا علاج بتا دیتا ہوں۔ آپ نے عرض کی کہ سچی توبہ کرتا ہوں اور آئندہ چوری اور ڈاکہ زنی سے تائب ہونے کا وعدہ کرتا ہوں حضرت شاہ دولا رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے زخموں کا ایک معمولی علاج بتا دیا۔ اور ساتھ ہی ایک روحانی سبق پڑھنے کا بھی حکم دیا۔

بابا جنگو شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ جیسے اکھڑ اور سخت طبیعت کے لوگ جب توبہ کر کے دین کی طرف رجوع کرتے ہیں تو تاریخ گواہ ہے کہ وہ دین کے معاملے میں بھی بڑے سخت گیر اور مجاہدہ و ریاضت کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دریائے چناب کے کنارے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنا لی اور وہیں مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ دریائے چناب اس زمانے میں حضرت شاہ دولا دریائیؒ کے مزار اقدس کے قریب ہی سے گزرتا تھا۔ کئی برس گزر گئے۔ حضرت بابا جنگو شاہؒ اپنے شیخ کے حکم سے وہاں سے نکلے اور اپنے آبائی قصبے ملوکھوکھر جو گجرات کے ہی مضافات میں بھمبر روڈ پر واقع ہے، میں سکونت اختیار کی۔ رب العزت نے

آپ کے مجاہدات وریاضات کی وجہ سے آپ کو ایسا نوازا کہ صبح وشام ایک ہجوم بے پناہ آپ کی عبادت گاہ کے باہر جمع رہنے لگا۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے دن میں کسی وقت عبادت گاہ سے باہر تشریف لاتے اور خلق خدا کے لئے دعا فرما کر پھر اندر تشریف لے جاتے

آپ کے ایک مرید باصفا اور خلیفہ اعظم حضرت میاں غلام محمد سہروردی جو آپ ہی کے علاقے کے تھے۔ انہیں ہم نے دیکھا ہے۔ کئی سال تک ہماری ان سے نشست و برخاست رہی ہے جو آپ کے وصال بہ ۱۹۵۱ء میں ختم ہوئی۔ آپ کی عمر تقریباً ۱۰۰ سال کے قریب تھی مگر ہم نے اتباع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ کی زبانی بابا جنگو شاہ قلندر قدس سرہٗ کے تفرقات باطنی اور کشف و کرامات کے بے شمار واقعات سننے میں آتے ہیں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا سب سے بڑا باطنی تصرف اور کرامت یہ ہے کہ گو آپ خود حالت سکر کی وجہ سے (جو اکثر آپ پر غالب رہتی) لباس شریعت کے جامع میں کم ہی رہتے تھے مگر آپ کے متبعین، مریدین اور متوسلین شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں بڑے ہی مستقیم اور سخت کوش ہیں۔

آخیر عمر میں حضرت بابا جنگو شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ قدس سرہٗ پر حالت استغراق بہت زیادہ طاری رہتی۔ کئی کئی روز آپ اپنے حجرے سے باہر تشریف نہ لاتے چنانچہ اسی حالت میں ایک روز آپ کا وصال ہوا۔ گجرات کے ملحقہ علاقوں کے ہزاروں لوگوں نے آپ سے کسب فیض حاصل کیا ہے۔ آپ وہیں مدفون ہوئے، جہاں آپ کی سکونت تھی۔ راجہ کشمیر نے آپ کے مزار کی تعمیر کروائی، جو آپ کے معتقدین میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کا مزار آج بھی برلب سڑک بھمبر روڈ ملوکھوکھر نامی گاؤں میں مرجع خلائق ہے۔

گزارش :- حضرت بابا جنگو شاہ قلندرؒ کے احوال و آثار اگر کسی صاحب کے علم میں ہوں تو وہ ہمیں تحریر فرما کر روانہ فرمائیں۔ اس سلسلے میں فاؤنڈیشن ہر قسم کے تعاون کے لیئے تیار رہے گی ——— مدیر

ذکر شیخ الاولیاء حضرت سید صوف لاہوریؒ

۱۔ اخلاق و عادات حضرت سید صوف[1] لاہوریؒ

— تحریر: میاں اخلاق احمد —

اسم گرامی حضرت سید صوفؒ، مگر حضرت سید سید صوفؒ کے مبارک نام سے شہرت پائی، آپ صوفیہ عظام سے ہیں۔ بڑے مستجاب الدعوات، صاحب کرامات و عالی مقامات اور ظاہری و باطنی علم میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کی اور رشد و ہدایت کی شمع جلا کر ہزاروں انسانوں کو ذکر اذکار کی تعلیم دی اور ان کے دلوں میں ایمان کی شعاعوں کو روشن کیا۔ آپ صاحب نسبت، صاحب دل، عابد، عارف باللہ، متقی، پرہیزگار، صاحب مروت، پیر کامل، ہادی طریقت اور روحانی پیشوا تھے۔ ہزاروں افراد آپ سے فیض یاب ہوئے۔ مگر ان اکابر دین کا نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق محفوظ نہ کر سکے۔ آپ کا مزار موجودہ چوک وزیر خاں کے شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ اس چوک کی ہر گلی اور ہر کونہ میں کسی شہید یا ولی اللہ کا مزار قائم ہے جو اپنی گذشتہ عظمت کا پتہ دیتا ہے۔ مگر صفحات تاریخ لاہور ہمیں ان اولیاء کرام کے حالات سے آگاہ نہیں کرتے۔ رائے بہادر کنہیا لال[2] "تاریخ لاہور" میں لکھتے ہیں۔

"یہ مزار (حضرت سید صوفؒ) بھی مسجد وزیر خاں کی تعمیر سے اول یہاں بنا ہوا تھا اور مسجد پیچھے تعمیر ہوئی"۔

---

[1] مولوی نور احمد چشتی آپ کا اسم گرامی میراں سید صوفؒ اور سید سوفؒ بھی لکھتے ہیں۔ تحقیقات چشتی، ص ۱۷۹

[2] ص (۱۰۰۸)

آپ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور علم و حلم میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی ذات بابرکات میں جمالیت اور جلالیت دونوں پہلو موجود رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ہدایتِ خلق، تبلیغِ اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکامات اور پیغامات رسول مقبول سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے آپ ایک واعظ اور پُر تاثیر متکلم بھی تھے۔

آپ کس سن میں پیدا ہوئے کب لاہور تشریف لائے۔ آپ کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی کیا تھا۔ آپ نے کس مقام پر تعلیم و تربیت حاصل کی، آپ کے اُستاد، پیر و مُرشد کا اسمِ گرامی کیا تھا۔ اس بارے میں سب سوانح نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں۔ بعض مورخ اور تذکرہ نگار آپ کو سیّد اسحاق گازرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ رحؒ کا ہم عہد اور ہم مجلس اور بھائی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر اس قول کی تصدیق ابھی تک کسی معتبر ذریعہ سے نہیں ہو سکی۔ پیر غلام دستگیر نامی "بزرگان لاہور" میں بحوالہ رسالہ تحفۃ الواصلین تحریر کرتے ہیں کہ آپ حضرت میراں بادشاہ سیّد اسحاق گازرونی رحؒ مدفون اندرون مسجد وزیر خاں کے ہمعصر تھے اسی بات سے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بھائی تھے۔ بہرحال آپ کے شخصی حالات بہت کم یاب ہیں۔

۲۔ خوارق و کرامات حضرت سیّد صوف لاہوری رحؒ

حضرتِ سیّد صوف رحؒ کی کرامات حد شمار سے باہر ہیں آپ کے عقیدت مند بکثرت تھے مگر افسوس ان عقیدت مندوں کے نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق ہمیں آگاہ نہیں کرتے۔ کیونکہ مغلوں[۲] کا دور ایک خطرناک اور تاریک ترین دور تھا۔ جس میں کسی عظیم یا روحانی شخصیت کے کارناموں کا باقاعدہ اور صحیح ریکارڈ مشکل سے دستیاب ہے۔ خاص کر ان اکابرین کا جو اس عہد میں تشریف لائے جبکہ یہاں بے چینی اور بدامنی تھی۔ کافروں اور ملحدوں کا بھی

---

[۱] ص ۲۲۱ [۲] تاتاری، منگول یا مغل شمالی پنجاب کے سرحدی علاقوں میں سکونت رکھتے تھے۔ لوٹ مار، قتل و غارت ان کا پیشہ تھا۔ دولت کے بہت حریص تھے۔

غلبہ تھا۔ اب ان کے حالاتِ زندگی ان کے علمی کارنامے ان کی روحانی فتوحات اور اس کے گرد و پیش کے حالات و واقعات ایک معمہ بن گئے ہیں اور مصادر و ماخذ کی کمیابی کے باعث تصوف پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور تنقید و جرح کے تازیانے برسائے جا رہے ہیں۔ آپ کی کرامات کے بارے بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں لیکن بوجہ خوف طوالت صرف آپ کی چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سکھوں کے عہد میں آپ کے مزار کے نزدیک اور چوک وزیر خاں کے گرد و نواح میں اکثر لوگوں نے نئے مکانات تعمیر کرائے تھے جس کی وجہ سے خانقاہ حضرت سید صوف رح اور مسجد وزیر خاں کی نمائش و خوبصورتی میں رکاوٹیں پیش آنے لگیں۔ اس بناء پر ۱۸۵۰ء میں چوک وزیر خاں کے اندرونی مکانات سرکاری حکم سے گرا دیئے گئے اور چوک کو پھر ایک وسیع میدان بنا دیا گیا۔ ان دنوں ضلع لاہور کا ڈپٹی کمشنر میجر میکریگر تھا جو مزار حضرت سید صوف رح کو چوک کے خوبصورت ہونے میں ایک دھبہ اور رکاوٹ خیال کرتا تھا اور اسے منہدم کرانا چاہا۔ بقول بعض بزرگانِ شہر لاہور ڈپٹی کمشنر خود ہی اتنا ہیبت زدہ ہوا کہ اس نے اس ناپاک ارادہ کو ترک کر دیا اور حضرت سید صوف رح کا مزار گرنے سے بچ گیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری "حدیقۃ الاولیاء" میں رقم طراز ہیں "اکثر یہ بات مشہور ہے کہ کوئی شخص چالیس روز برابر اس مزار پہ آنے نہیں پایا سوائے اس شخص کے کہ اس کے دل کی مراد کا حاصل ہونا تقدیر یزدانی میں ہو اور جو شخص محروم ازلی ہو تو ہیبت اس کو چلنے کے اندر ہی ایسی دہشت دکھائی دیتی ہے کہ پھر وہ اس مزار پہ نہیں جاتا۔"

بلا تردید یہ بات بیان کی جا سکتی ہے کہ صوفیائے عظام جس طرح زندگی میں لوگوں کو اپنے علمی روحانی فیوض و برکات سے مستفید کرتے رہے ہیں اسی طرح ان کی رحلت کے بعد بھی ان کا فیض جاری و ساری رہتا ہے اور یہ فیض روحانی طور پر پہنچتا ہے۔ مزار حضرت سید صوف رح نہایت پر فیض و بارعب ہے۔ نسبت کی تیزی، جذب کا غلبہ اور جلالیت مزار پہ واضح طور پر نمایاں ہے۔

سلہ ص ۲۴۹

۳۔ وصال حضرت سیّد صوف لاہوریؒ

تاتاری، منگول، مغل شمالی سرحد ہندوستان عبور کرکے پنجاب میں آکر لوٹ مار کیا کرتے تھے اور ان کی لوٹ مار و غارت گری کا سلسلہ صدیوں سے چلا آتا تھا۔ کبھی مغلوں کے حملوں کی مصیبت قطعی طور پر ختم ہو جاتی اور مکمل طور پر امن و امان قائم ہو جاتا او وہاں علاقوں کے کاشتکار جو مغلوں کی آمد کے راستوں پر واقع تھے اطمینان خاطر کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق زراعت کے کام میں مشغول ہو جاتے۔ کبھی تباہ و برباد ہو جاتے۔ ان لوگوں کا زور زیادہ تر لاہور اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر ہوتا تھا کیونکہ یہ شہر دولتمند ہونے کے علاوہ اور دیپال پور جاتے ہوئے ان لوگوں کے راہ میں پڑتا تھا اور تغلق دَور میں علاقہ دیپال پور کو بہت اہمیت تھی۔ جب دیپال پور کے لوگ ان ظالم حملہ آوروں کی خبر سنتے تو جنگلوں میں جا چھپتے تھے لیکن پھر بھی جو کوئی وہاں نظر آتا اُسے قتل کر دیتے۔ مکانوں کو لوٹ کر نظر آتش کر دیتے تھے۔ یہ ایک طوفان برپا زمانہ تھا جس میں منگولوں کے درندہ صفت لشکروں نے آگ اور خون کے ہولناک مناظر پیش کیے اور تہذیب و تمدن کے صدیوں پرانے مینار ٹوٹ کر اکھڑ کر گر پڑے۔

فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں دو اربابِ قلم نے تاریخیں لکھی ہیں جو تاریخ فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی اور اس کا دوسرا نام سیرۃ السلاطین بھی ہے شمس الدین عفیف کی تاریخ فیروز شاہی جو تذکرہ عفیف شاہی کے نام سے بھی معروف ہے۔ دونوں مصنفین مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ البتہ ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں یوں رقمطراز ہیں ؎۱

(ترجمہ) محمد سلطان تغلق شاہ جو اس زمانے میں غازی ملک کہلاتا تھا کی شہرت تمام خراسان اور ہندوستان اور اس کے باہر ملکوں میں پھیل گئی۔ قطب الدین کی حکومت کے آخر تک اس نے دیپال پور اور لاہور کے علاقوں میں مغلوں کی آمد کا قدیم سلسلہ اسی طرح بند کر دیا جیسا کہ زمانہ قدیم میں نصیر خاں نے کر دیا تھا۔ ہر سال وہ اپنے لشکر خاص کے ساتھ دیپال پور سے روانہ ہوتا اور مغلوں کی سرحد تک چلا جاتا۔

۱۔ ص ۴۲۷

وہ مسلّم کھلا مغلوں کو مقابلے کے لئے بلاتا لیکن مغلوں کی یہ مجال نہ ہوتی کہ اپنی سرحد پر گشت کے لئے بھی آتے۔ حال یہ ہوگیا تھا کہ کسی کے دل میں بھی مغلوں کی طرف کوئی تشویش باقی نہ رہی اور ان کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آتا تھا مزید بیان کرتے ہیں کہ سلطان علاء الدین نے مغلوں کا مکمل طور پر استیصال کر دیا اور ان کے حملوں کا سلسلہ بند ہوگیا تھا۔ فوجی اور عام زندگی کی ضروریات کی اشیاء کے ارزاں ہو جانے سے لشکر مستحکم ہوگیا[1]۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں مغلوں نے پھر لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا جو کچھ ہاتھ لگتا لوٹ کرلے جاتے۔ اس فتنہ و فساد اور غارت گری کے اثرات سندھ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر بھی پڑے جو بلوہ کی صورت میں رونما ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی بہادر اور دلیر افواج کی مدد و معاونت سے اس آفت پر جلد قابو پا لیا۔ مغلوں اور مفسدوں کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور امن و امان بحال ہوگیا۔

سلطان نے چند روز کے لئے دیپالپور میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران خداوند عالم حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے اجودھن گئے شمس الدین عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہیں[2]۔

(ترجمہ) "بادشاہ بغیر زیارت بزرگان و حاضری مزارات کبھی سفر نہیں کیا، پیروں اور خانقاہوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا اور پیر پرست تھا"

اس بیان کے علاوہ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں بیان کرتے ہیں[3]

(ترجمہ) "اس بزرگ خانوادہ (بابا فرید گنج شکر کی اولاد) جو کلیتہ ابتر اور پریشان ہوگیا تھا۔ اس کو از سر نو مستحکم و درست کر دیا۔ اور شیخ علاء الدین کے پوتوں کو خلعت و انعامات عطا فرمائے اور وظیفے اور گاؤں املاک کے طور پر ان کے حق میں مسلم کر دیں۔ اجودھن کے باشندوں کو صدقات عطا کئے اور جن لوگوں کے متعلق اس نے سُنا تھا کہ ان کو نان یا وظیفہ ملتا تھا اس کی تجدید کر دی۔ دیپالپور کے مشہور شہر سے دہلی تک ان تمام قصبات میں جو اس جانب واقع تھے لوگوں

۱۔ دیکھیں حالات ص ۱۰۹ ۲۔ دیکھیں حالات ص ۱۱۰ ۳۔ تاریخ فیروز شاہی از شمس الدین عفیف ص ۹۶

حق میں دو مخالف ادارات کے فرمان جاری کئے اور ہر قصبے میں فقراء و مساکین کو نقدی کی شکل میں صدقات ان کے علاوہ عنایت کئے ، سطور بالا کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ سلطان فیروز شاہ مشفق و مہربان، حق شناس و وفادار اور دینِ اسلام میں پاکیزہ عقیدہ رکھتا تھا۔ اکابرِ دین اور ان کے خاندان کی عزت و حرمت کرتا تھا۔ رعایا کی خوشحالی، فارغ البالی اور آسودگی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا تھا۔ اس کا اصول یہ تھا کہ کثرتِ محاصل ترقی دولت کا سبب نہیں، بلکہ رعایا پروری، باشندگانِ ملک کی خوشنودی و خوشحالی ترقی دولت کی بنیاد ہے۔

فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں شہر دیپال پور کو بہت شہرت اور اہمیت تھی، سلطان نے چند روز دیپال پور میں قیام کیا۔ پھر صدر مقام دہلی کی جانب روانہ ہوئے۔ اس کے خلاف لاہور کی جانب کوئی توجہ نہ تھی بلکہ ایک دور افتادہ اور پس ماندہ شہر متصور ہوتا تھا اور پھر دہلی دارالخلافہ ہو جانے سے لاہور کی رونق ماند پڑ گئی۔

اہلِ لاہور ہمیشہ مغلوں کے حملہ سے ہراساں رہتے تھے۔ جب کبھی انکی آمد کے بارے میں کوئی خبر پاتے تو ان کے جگر کانپنے لگ جاتے تھے۔ کون جانتا ہے کہ اس ہول میں کون زندہ رہے گا یا نہیں رہے گا۔ لوگ حتمی طور پر بددل اور مایوس ہو چکے تھے مگر اس دور میں علماء فضلا صلحاء، اہلِ دل، اہلِ درد، اہلِ قلم اور اہلِ سیف بھی تھے۔ جب مسلمانوں پر کوئی آفت نازل ہوتی نظر آتی تو شاملِ جہاد ہو جاتے تھے۔ دینِ اسلام کی حرمت اور مسلمانوں کے جان و مال اور آبرو بچانے کا وقت آتا تو اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہو جانے اور جہاد بالسیف سے کبھی دریغ نہ کرتے۔

حضرت سید صوف لاہوریؒ اس خطرناک موقع پر جس نے بلوہ کی صورت اختیار کر لی تھی حق کی خاطر جامِ شہادت نوش فرمایا اور راہِ خدا میں شہید ہوئے یہ اسلام کا آفتاب جہاں تاب جو بستی لاہور میں تاباں تھا۔ جس کی سعی و جمیلہ سے علمی و روحانی اور اسلامی تحریکات کا بھی آغاز ہوا تھا اور علمی و دینی مراکز بھی وجود میں آئے تھے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ مگر نئے پیچھے سرمایہ کا وہ سرچشمہ چھوڑ گئے جس سے ہماری نسلیں سیراب دتی ہیں اور یہ چشمۂ فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور فیوض و برکات سے اہلِ اسلام کو ل کر رہا ہے۔

مگر افسوس تاریخ کے اوراق ان واقعات کو محفوظ و مامون نہیں کر سکے۔ اب صرف چند یادداشتیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کے علمی اور دینی مراکز جو موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح میں قائم ہوئے تھے ان کی نگہداشت کرتے رہے اور ان کو فروغ دیا۔

۲۔ تاریخِ وفات

معروف و مقبول قول کے مطابق آپ نے ۸۶۰ھ میں شہادت پائی۔ اور مزار کے موجودہ کتبہ پر بھی یہی تاریخ وفات لکھی ہوئی ہے۔ حضرت سید صوف لاہوریؒ کی تاریخ وفات کی طرح تاریخ ولادت بھی ٹھیک سے معلوم نہیں ہے۔ اس ضمن میں تذکرہ نویسوں کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا محال ہے تذکرہ تاریخ وفات پر کیسے متعین ہوئی۔ مصادر و ماخذ کی کمی کے باعث اس سوال کا جواب معلوم کرنا مشکل ہے۔ کچھ مستند ماخذ مل جانے سے یہ الجھن بھی رفع ہو سکتی ہے۔

سب سے قدیم تذکرہ "نفحات الانس" مرتبہ نور الدین جامیؒ کا ہے جو ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء میں مکمل ہوا۔ پھر مشہور و معروف تذکرہ "رشحات عین الحیات" جسے ملا حسین واعظ کاشفیؒ سولہ سال گزرنے کے بعد ۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء میں از سر نو دوبارہ ترتیب دیا آپ کے بارے میں مکمل خاموش ہیں۔ گلزار ابرار، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ، تاریخ فیروز شاہی، آئین اکبری (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء) اور اس کے ۵ سال بعد مرتب ہونے والا تذکرہ ثمرات القدس مولفہ لعل بیگ بخشی، عبدالحق محدث دہلی رح کی اخبار الاخیار پھر شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء جس میں اس نے بزرگان دین کے حالات، پیدائش، تعلیم و تربیت آداب و طریقت اور وفات کی تاریخیں درج کرنے کا بڑا اہتمام رکھا ہے۔ اس ضمن میں سب نے سکوت اختیار کیا ہے اور آپ کی تاریخ پیدائش، وفات اور خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بارے کوئی نشاندہی نہیں ہوتی۔ البتہ ثمرات القدس مولفہ لعل بیگ بخشی میں حضرت سید اسحاق گازرونی رح لاہوری کا ذکر اور گرد و نواح کے علاقہ کے حالات ملتے ہیں مگر افسوس ہے کہ یہ تذکرہ ابھی تک حکومت ایران طبع نہ کر سکی، معارج الولایت جو عبداللہ خویشگی قسوری کی تصنیف ہے جس میں تقریباً

چار سو چھ ن (۵۶۴) پاک و ہند کے مشائخ کے حالات درج ہیں اور سن ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء میں مکمل ہوئی۔ اس قلمی نسخہ کے اوراق حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوریؒ اور حضرت سید صوف لاہوریؒ کے حالات و واقعات سے نا آشنا ہیں الغرض جب تک کوئی ٹھوس ثبوت دستیاب نہیں ہوتا تب تک حضرت سید صوف لاہوریؒ کی تاریخ ولادت، وطن اور وفات کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔

متاخر تذکرہ نویس مفتی غلام سرور لاہوریؒ کی تالیف حدیقۃ الاولیاء جس میں پنجاب بالخصوص لاہور کے صوفیائے کرام کے جو حالات شامل کئے ہیں ان میں لکھا ہے[۱] "اس بزرگ کا مزار خاص لاہور میں میدان چوک روبروئے دروازہ مسجد وزیر خاں ہے مکان نہایت پُر فیض و بارعب ہے۔ پہلے حضرت کے مرقد مقدس چار دیواری کے اندر تھے۔ اب محمد سلطان[۲] ٹھیکیدار نے اس پر خوبصورت گنبد بنوایا ہے" مزید تحریر کرتے ہیں اگرچہ درست احوال اس بزرگ کے ثابت نہیں ہوتے کہ یہ حضرت کب اور کس زمانے میں آئے مگر "رسالہ تحفۃ الواصلین" سے اتنا پایا جاتا ہے کہ یہ بزرگ ہمعصر حضرت میراں بادشاہؒ کا تھا" اگر ان بیانات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو آپ کی ولادت و وفات آٹھویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی اور یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ فارس سیاسی بدامنی کے باعث بددل ہو کر نوجوانی کے عالم میں وہاں سے نکلے ہوں گے۔ اور فیروز شاہ تغلق کے پُر امن دور میں حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے ہوں گے۔

۵۔ مزار حضرت سید صوف لاہوریؒ

آپ کا مزار چوک وزیر خاں کے شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ مرقد مقدس کے باہر احاطہ مزار میں 'برنے' کا وہ درخت بھی اب تک موجود ہے جس کا حوالہ مولوی نور احمد چشتی نے ۱۸۶۴ء میں اپنی کتاب تحقیقاتِ چشتی میں دیا تھا۔ 'برنے' کے ساتھ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا جس میں مجاور کی رہائش تھی اس مقام پر اب ایک کھلا برآمدہ تعمیر ہے اس برآمدہ کے پاس ہی ایک چھوٹا صحن ہے جس کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ احاطہ مزار ایک چھوٹے سے جنگلہ سے گھیرا ہوا ہے۔ احاطہ مزار کے باہر لیکن ملحق ایک کنواں غسل خانہ اور سقاوہ بھی تھا جو

---

[۱] ص ۲۴۹ [۲] دیکھیں حالات ۱۰۱

جاری تھا مگر اب کنواں سقاوہ وغیرہ قائم نہیں۔ کنواں کی بجائے کارپوریشن کے نل سے
پانی لیا جاتا ہے۔ رائے بہادر کنہیا لال تاریخ لاہور میں بیان کرتے ہیں "چاہ و مسجد خورد و
فقیر کے رہنے کا ایک حجرہ بنا ہوا تھا۔ سکھوں کے وقت لوگوں کی آمد و رفت اس مزار
پر بھی ہوتی تھی"[1] رائے بہادر کنہیا لال کے مذکورہ بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے
کہ اس مقام پر ایک قدیم مسجد خورد بھی تھی جس کا اب بالکل نشان نہیں۔ "تحقیقات چشتی"
کے حوالہ سے[2] یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۶۱ء سے پہلے مزار پر گنبد نہیں تھا۔ ابتداء میں آپ
کی قبر خام اور ایک چبوترے پر بنی ہوئی تھی اور اس کے گرد چار دیواری تھی۔ بعد ازاں
شیخ محمد سلطان ٹھیکیدار مرحوم نے ۱۲۶۸ھ/۱۸۶۲ء میں گنبد تعمیر کروایا اور احاطہ مقبرہ کی
تعمیر از سر نو ہوئی۔ اس گنبد کی تعمیر سے مزار کی رونق بڑھ گئی اور چوک کی زینت دو چند
ہو گئی۔

اس مزار کے جانب جنوب ایک سل سنگ مرمر کی نصب ہے جس میں یہ عبارت
بخط نسخ سیاہی کے حرفوں سے کندہ ہے۔ "بصوابدید صاحب عالی مناقب میجر جارج
بیسکہ بگر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور مقبرہ متبرکہ حضرت سید[3] موصوف قدس سرہٗ
تعمیر کردہ شیخ سلطان ٹھیکیدار سرکار فیض آثار کمپنی انگریز بہادر دام اقبالہ سن ۱۸۶۲ء
باتمام رسید سن ۱۲۶۸ھ سمت ۱۹۱۸۔" اب نئی تعمیرات کے باعث یہ سنگ مرمر کی سل
نظر نہیں آتی۔

مزار اقدس کا دروازہ جنوب کی جانب ہے اور اس کے اوپر سنگ مرمر کی تختی پر یہ
تحریر ثبت ہے۔

---

[1] ص ۱۷۹ [2] ص ۱۰۰۸ [3] آپ کا اسم گرامی سید صوف ہے مگر یہ مقبرہ
حضرت سید سید صوف کے نام سے معروف ہے مگر بعض تذکروں میں آپ کا نام
حضرت سید موصوف بھی پایا جاتا ہے۔ درست اسم گرامی سید صوف ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

"روضہ اقدس سلطان العارفین زبدۃ الکاملین منظور بارگاہ ایزد حضرت سیّد سید صوف فیض بخش عظیم انوار اللہ مرقدہٗ در عہد بادشاہ ابوالمظفر فیروز شاہ تغلق"

اس عبارت کے علاوہ حضرت کے لوح مزار پر درج ذیل عبارت کے ساتھ یہ اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں۔

"شیخ المشائخ حضرت پیر سخی سیّد سید صوف فیض بخش
رحمتہ اللہ علیہ الحسنی سہروردی سنہ وصال ۷۸۶ ھ"

اشعار

کس دلِ زندہ کی ہے یہ تربت عظمت نشان
خاک جس کی چومنے کو جھک رہا ہے آسمان
فیض بخش گنج وحدت مرشد فرخ جبیں
صوفیئے صافی نہاد و رہبر دنیا و دین
غازۂ روئے شہادت زینت قوم و وطن
سرفروش و غازی و شدّاد کش مرحب فگن
سرخرو ہو کر جہاد فی سبیل اللہ سے
مردِ مومن سو رہا ہے خواب شیریں کے مزے

مذکورہ بالا عبارت اور اشعار سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ سادات عظام سے ہیں اور حسنی سیّد ہیں آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسن رضؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ سلسلہ سہروردیہ سے منسلک تھے اور اس سلسلہ کو فروغ دیا ۷۸۶ھ میں شہادت پائی یہ عہد سلطان فیروز شاہ تغلق کا تھا۔

آپ کے مزار اقدس پر میاں محمد سلطان ٹھیکیدار جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے ایک خوشنما گنبد تعمیر کروایا اور قبر کا تعویذ نیا لگوایا۔ بزم صوفیہ حضرت سیّد سید صوف کے بعض اراکین بیان کرتے ہیں کہ نئے تعویذ کی عبارت وہی ہے جو قدیم تعویذ پر تھی۔ صرف

چند اشعار کا اضافہ تصور کیا جاتا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سید صوفؒ کا مزار صدیوں سے مرجع خلائق ہے۔ چندر بھان برہمن "چہار چمن" میں بیان کرتے ہیں کہ یہ مقام پُر رونق اور تجارت کا اہم مرکز تھا۔ جمعہ کے روز یہاں لوگوں کا بے پناہ ہجوم نظر آتا تھا۔ عوام میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ سکھی عہد میں ایک رسم تھی کہ راستے کے میلہ میں سکھ، ہندو اور مسلمان کثرت سے شریک ہوتے تھے اور اس چوک کے میدان میں آتشبازی چھوڑا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دور دور سے ماہر آتشباز بھی حاضری دیتے تھے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عزت و احترام اور فضیلت کی دستار پاتے پھر رخصت کئے جاتے تھے مگر آجکل یہ رسم نہیں ہے۔

عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے مزار پر حاضری دیتی ہے۔ آپ کا عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ عرس مبارک کی تاریخ ۱۶-۱۷ ماہ رجب المرجب مقرر ہے۔ روضہ مبارک پر قرآن پاک کی تلاوت، نعت خوانی اور درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ دربار کے اندر باہر اور گنبد پر رنگین بلبوں سے روشنی کی جاتی ہے اور دربار بقعہ نور بنا ہوتا ہے اور مقبرہ کا اندرونی حصہ زیبائش و آرائش سے مزین ہوتا ہے۔

ہر زمانے میں اس مزار میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ اب یہ مزار محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ آجکل محکمہ اوقاف کے تعاون اور مخیر حضرات کی اعانت سے مزار کی توسیع اور آرائش کا سلسلہ شروع ہے ان تعمیرات کے بعد آپ کا مزار مبارک گذشتہ ایام سے بالکل مختلف دکھائی دے گا۔

عوام میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ حضرت پیر بلخیؒ آپ کے ہم عصر تھے۔ مگر یہ قول غیر صحیح ہے آپ کا اسم گرامی حسن تھا اور کنیت ابو المحامد۔ والد بزرگوار کا نام محمد الحسین البوبکر تھا۔ آپ ۵۹۸ھ/۱۲۰۱ء میں لاہور تشریف لائے اور یہاں ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء میں شہید ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ شمالی سرحد کے لٹیروں نے لوٹ مار اور زر و دولت کی ہوس میں لاہور پر حملہ کیا تھا اور آپ بھی ان کے خلاف لشکر اسلام میں شامل تھے۔ اور جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کا مقبرہ دہلی دروازہ سے سنہری مسجد کو جاتے ہوئے راستے میں کشمیری بازار میں بائیں جانب آتا ہے۔

۱۔ قلمی نسخہ ۴۰/۱ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور) ۲۔ حدیقۃ الاولیاء ص ۱۶۸

لاہور کے عجائب گھر میں ایک عربی کتبہ موجود ہے جس پر کوفی و نسخی خط میں لکھا ہے۔
جس میں آپ کی تاریخِ وفات یوں درج ہے:-

"ہذا مقبرۃ الشہید الشیخ ابو المحامد الحسن ابن محمد الحسین ابو بکر الذکری البلخی رحمۃ اللہ علیہ وقد عاش ثمانیہ وتسعین (۹۸) سنۃ وفات فی یوم الجمعۃ التاسع من ذی الحجہ وہی یوم عرفہ من ثلثۃ واربعین وستمائۃ"

(ترجمہ) یہ مقبرہ شیخ ابو المحامد الحسن بن محمد الحسین ابو بکر الذکری البلخیؒ کا ہے تحقیق وہ سن ۵۹۸ھ (۹۸ فی الاصل) میں زندہ تھے اور ۶۴۳ھ میں جمعہ کے دن ۹ ذلحجہ کو جو عرفہ کا دن تھا شہید ہوئے۔

سن ۶۳۹ھ/ دسمبر ۱۲۴۱ء مغلوں کے سپہ سالار طائر کے لشکر کے ہاتھوں شہر لاہور اس طرح تباہ و برباد ہوا کہ نہ تو کوئی ذی نفس زندہ بچا اور نہ کوئی عمارت محفوظ رہی شہر کو بھی نذرِ آتش کیا گیا اس واقعہ کے تیس سال بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے اس ویرانے شہر کو زرِ کثیر صرف کر کے دوبارہ آباد کیا۔[1]

مذکورہ سنین سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت سید بلخی رح حضرت سید صوف لاہوریؒ کے ہمعصر نہیں کیونکہ حضرت سید صوفؒ لاہوری نے آٹھویں صدی ہجری میں شہادت پائی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ کے عرس کی ابتداء کس نے کی اور کب ہوئی لیکن آپ کا عرس صدیوں سے منایا جا رہا ہے۔ سکونِ قلب کے ساتھ عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد آپ کی درگاہِ عالیہ پر حاضری دیتی ہے۔

تصوف کے اس انقلاب انگیز فکری و علمی اور روحانی تحریک کو لاہور میں پھیلانے اور عام کرنے میں سب سے زیادہ حصہ ان بزرگانِ طریقت کا ہے۔ جنہوں نے ایک ایسے دور میں اشاعت دینِ اسلام کو فروغ دیا جبکہ شمالی ہند (خطۂ شمالی پنجاب) بیرونی حملوں کی یلغار کا بہت بڑا ہدف بنا ہوا تھا اور ہر طرف ہوا و ہوس کے جذبات خاص کر مغلوں کے عام تھے۔ اس پُر آشوب دور میں ان صوفیائے کرام کی خدمات بڑی مفید، کارآمد اور دور رس اثرات و نتائج کی حامل ثابت ہوئیں ان بزرگانِ دین

---

[1] مآثر لاہور جز و اول ص ۱۶۲ ۱۹۵ تا ۲۰۱

کا کام صرف بندگانِ خدا کی اصلاح تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ دوگونہ فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ ایک طرف روحانی محاذ پر اپنے علمی وعملی فیضان سے سیراب کیا اور دوسری جانب جہاں مسلمان کمزور اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے وہاں خود جہاد فی سبیل اللہ کی رسم و راہِ پیغمبری کو از سرِ نو زندہ کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت سید صوف رح لاہوری کا کردار قابلِ ستائش ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اس زمانہ کے بزرگوں کے حالات آجکل نایاب ہیں۔ صرف تذکرہ ثمرات القدس جو عہدِ اکبر بادشاہ کی تالیف ہے، کے مطالعہ سے آشنا پتہ چلتا ہے کہ موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح کا حصہ ایک میدانِ کارزار تھا جس میں بہت سے بزرگوں، علماء، صلحاء اور شہداء کے مقبرے اور قبریں تھیں جو زمانہ کے ساتھ تباہ و برباد ہوتی گئیں۔ راقم کی تحقیق کے مطابق موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ایک اہم روحانی و علمی اور دینی مرکز تھا اور ان ہی بوریہ نشینوں نے اشاعتِ علمِ دین کے لئے درس جاری کئے۔ تعلیم مفت دی اور ان ہی درس گاہوں سے بڑے بڑے فلسفی، علامہ، منطقی، فقیہہ، محدث، شاعر اور حریت نواز حق گو اہلِ علم پیدا ہوئے جو فخر البلاد بنے اور علم و ہنر کی جو مشعلیں روشن کیں۔ ان سے قوم کے بجھے ہوئے چراغ صدیوں تک روشنی حاصل کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ یہ سارا علاقہ "گنذر رڑہ" کے نام سے مشہور تھا اور اسی نام سے خاص کر مغل حکمرانوں کے عہدِ حکومت میں شہرت پائی۔

۶۔ خانقاہ حضرت سید صوف رح اور سید فضل شاہ مجذوب رح

مقبرہ حضرت سید صوف رح کے جانبِ شمال ایک چاہ نظر آتا ہے جس کو راجہ دینا ناتھ نے تعمیر کروایا تھا۔ اس چاہ پر ایک پہاڑی نما گنبد تعمیر ہے جو اب تک قائم ہے۔ اس گنبد کا رنگ سفید، ہشت پہلو۔ چاروں اطراف چار در محرابی ہیں۔ اس گنبد کی حالت آجکل بہت خستہ و شکستہ ہے اور قابلِ مرمت ہے۔ چاہ اور اس کے تین محرابی در بالکل بند کر دیئے گئے ہیں۔ گنبد چمگادڑوں اور زمین مسکینوں اور غریبوں کا مسکن ہے۔ دیوارِ چاہ میں ایک سِل سنگ مرمر کی نصب ہے اس میں ذیل عبارت تحریر ہے۔

آثارت و ایالت دست گاہ خیر اندیش دولتِ عالیہ دیانت دار مشیر خاص مدار المہام راجہ دینا ناتھ، راجہ کلانور بصواب دید صاحب عالی مناقب میجر جارج میکریگر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور بنیاد عمارت چاہ ہذا در سمت ۱۹۰۸ مطابق ۱۸۵۱ء بصرف بذر خود نمود"۔[1]

احاطہ چوک وزیر خاں کے جانب شمال حویلی راجہ دینا ناتھ واقع ہے جو ایک پرانی تاریخی عہدِ سکھی کی یادگار ہے اس کے پاس درگاہ حضرت سید صوف رح کے نزدیک ایک مجذوب جس کا نام سید فضل شاہ تھا نے سکونت اختیار کر لی اور اخذ فیض ہوئے۔ آپ علاوہ علوم شرعیہ کے قرآن شریف بھی بہت عمدہ جانتے تھے اور خوشنویس بھی تھے۔ لوگوں نے اتفاق رائے سے آپ کو "محلہ ڈھائیں گٹوں" کی مسجد کا امام مقرر کر دیا۔ ایک روز آپ مسجد میں صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ سجدہ میں بہت دیر تک رہے اور تہ بند اٹھا کر سر پر اوڑھ لیا۔ مقتدی یہ حال دیکھ کر حیران ہو گئے اور آپ نے اسی روز تمام علائق و عوائق دنیوی منقطع کر دیئے اور آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ شریعت کا پاس اٹھا گیا۔ ستر پوشش کی قید بھی جاتی رہی۔ اور برہنہ مادر زاد پھرنے لگے۔ پھر آپ کا یہ وطیرہ ہو گیا کہ برہنہ بازاروں میں پھرتے اور شام کو لوہاری منڈی میں بوہڑ والی مسجد کے سامنے ایک دکان کے چبوترے پر بیٹھ جاتے پھر اس نشست کو بھی ترک کر کے ہمیشہ کے لئے چوک وزیر خاں نزد درگاہ حضرت سید صوف رح میں تشریف لے آئے اور ہمیشہ کے لئے اقامت پذیر ہو گئے۔

راجہ دینا ناتھ ایک بڑے باخدا، صلح کل اور فیاض آدمی تھے۔ فقراء سے بہت محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ ابتداء میں ایک چھوٹے سے عہدہ پہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ملازم تھے۔ ایک روز راجہ نے شاہ صاحب رح کی خدمت میں ترقی منصب کے لئے التماس کی۔ آپ نے ایک "مونڈھا" جو گنے کے چھلکے سے بنایا جاتا ہے اٹھا کر راجہ کے سر پہ رکھ دیا۔ راجہ کو اسی روز دربار سے خلعت اور منصب دیوانی عطا ہوا اور مقرب بارگاہ سلطانی ہوئے۔ راجہ کی اس خوش اعتقادی کو دیکھ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور دیگر ارکانِ دولت مثلاً نواب شیخ امام الدین صوبہ دار کشمیر، فقیر عزیز الدین و فقیر نور الدین خاص کر اور وزیر دربار راجہ تیجا سنگھ

---

[1] دیکھیں حالات ۱۱۰ [2] دیکھیں حالات ۱۱۱ [3] اس محلہ کا آج کل موجودہ شاہ عالمی دروازہ اور لوہاری دروازہ کے درمیانی حصہ تعین کیا جاتا ہے۔

کمانڈر انچیف (Commander-in-Chief) سردار الاسنگھ صاحب تو شیلانیہ اور دیگر امرا کی توجہ اس جانب ہو گئی اور خانقاہ حضرت سید صوف رح ایک روحانی مرکز بن گیا اور جب تک سید فضل شاہ صاحب زندہ رہے۔ راجہ دینا ناتھ و دیگر امرا و نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ دونوں وقت کا کھانا اور ماہواری رسد و ملبوسات و زر نقد سے تواضع کرتے رہے۔

راجہ صاحب کا یہاں تک اعتقاد تھا کہ تین قوالوں کی ایک ٹیم کو مقرر کر رکھی تھی جو ہر روز ظل الٰہی شاہ صاحب کو گانا سنایا کرتے تھے اور ایک منشی ملک جیون[1] نام کا مقرر کر رکھا تھا جو شاہ صاحب کے روزانہ حالات وارشادات روزنامچہ میں درج کر کے شام کو راجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ان سب کی تنخواہ راجہ صاحب کے خزانہ سے ملتی تھی۔ میاں جیون قوم ملک اور شہر جالندھر کا باشندہ تھا۔ اس کے علاوہ میاں مقیم لوہار جس کی رہائش چوک وزیر خاں میں تھی آپ کا خدمت گار تھا، یہ سب حضرت سید صوف رح کے فیضان کا اثر تھا جن کی بدولت سید فضل شاہ صاحب مست سرشار اور صاحب جذب ہوئے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مجذوبانِ واصل اور مجذوبانِ سکاری میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ پابندِ شریعت ہوتے ہیں اور سکر کی حالت میں رہتے ہیں مگر فیض باطنی دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ مجذوبانِ واصل کا فیض مرید کو سالک رکھتا ہے اور سکاری کا فیض مرید کو سکاری بنا دیتا ہے اور خوارقِ و کرامات بھی دونوں سے ظہور میں آتے ہیں۔ بہرحال دونوں گروہوں کا رتبہ نہایت ہی جلیل القدر رہے۔

درگاہ حضرت سید صوف رح پر ہزاروں طالبانِ ہدایت کاسہ گدائی لئے دریوزہ گری کر رہے ہیں اور نور علم و معرفت سے اپنے کشکول بھر بھر کر کے واپس جا رہے ہیں لیکن اس درسگاہ سے کوئی شخص تشنہ کام واپس نہیں لوٹتا مگر ان میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن پر آپ کی نظرِ عنایت ہوئی اور وہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ لیکن بوجہ خوف طوالت ان کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔ دورِ حاضرہ کے ایک اہم بزرگ صوفی دین محمد رح قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے آپ کے آستانہ عالیہ پر قیام کیا اور فیضیاب ہوئے۔ آپ خلیفہ مظفر علی خاں رح کے مرید تھے اور سلسلہ نقشبندیہ توکلیہ سے

---

[1] اسرار التصوف ص ۹۳۔ لالہ کنہیا لال "تاریخ لاہور ص (۳۴۱) میں ملک جیون کی بجائے جیون داس منشی لکھا ہے۔ جو غیر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور تصدیق نہیں ہو گی۔

منسلک تھے۔ عابد، زاہد، متقی اور پرہیز گار تھے۔ یہ دونوں بزرگ اب اس دُنیا سے انتقال کر چکے ہیں۔

دورِ حاضرہ کی سب سے بڑی حرماں نصیبی یہ ہے کہ ذوقِ روحانیت ناپید ہوتا جا رہا ہے اور جب تک انسان میں روحانی اقدار کی طالب و جستجو پیدا نہیں ہو گی وہ مادہ پرستی ترک نہیں کر سکتا اور یہ مادہ پرستی اولادِ آدم کی نامراد و کم نصیبی کی وجہ حقیقی ہے۔ بقول حضرت جنید بغدادیؒ مشائخ کرام کی حکایات و حالات دلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" میں ذکر کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کی مخلوق کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔ زمین کی پیداوار ان کے احوال کی صفائی سے ہوتی ہے اور ولی ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا دوست اور اللہ کے جملہ احکام کا پابند ہوتا ہے۔ یہ اکابرِ دین حریت، اخوت اور مساوات کے اسلامی اصولوں کے علماً علمبردار تھے۔ جنہوں نے خدمتِ خلق اور تعمیرِ انسانیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دعوت و ارشاد کا عظیم کارنامہ انجام دیا جس سے لوگ متاثر ہو کر اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے۔ یہ اسلام کے بے لوث اور مخلص مبلغین تھے جن کو ہم صوفیائے کرام یا "اولیاء اللہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان ہی اکابرِ دین کی مہر و وفا، محبت و رغبت اور شب و روز کی جدوجہد نے ظلمت کدہ لاہور کو نورِ اسلام سے منور کیا اور ان بزرگانِ دین کی تبلیغ و اشاعت پر تاریخ اسلام ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔

اگرچہ یہ تذکرہ مائل بہ اختصار ہے لیکن طالبانِ راہِ طریقت اس مختصر جائزہ سے بھی آسودہ خاطر ہو سکتے ہیں اور مزید تحقیق کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اور اپنے وسیع علم و فضل کی بدولت ایک عالی شان اور فلک بوس عمارت تیار کر سکتے ہیں۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

(حافظ شیرازیؒ)

نُکتہ

سید عارف نوشاہی صاحب (مدیر مجلہ دانش) نے "دانش" شمارہ ۲ میں مضمون "کتابوں پر نقد و نظر" میں ادارہ کی جانب سے کتاب "الجانب الغربی فی حل مشکلات الشیخ محی الدین ابن عربی" مصنف شیخ مکی ؒ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک توجہ طلب امر کی نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

آخر میں ایک نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ مغرب کے بعد اب مشرق میں بھی علمی تحقیق و تنقیح کا جو عمدہ معیار سامنے آرہا ہے۔ اس کو بلند تر رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مشرق کے علمی ادارے اور محققین ایک دوسرے کے ساتھ کھلے دل کے ساتھ تعاون کریں۔ یہ بات درست ہے کہ ایک عمدہ اور معیاری تحقیق سامنے لانے میں محقق کی ذاتی استعداد اور ذہانت کا بھرپور دخل ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس محقق کے وسائل تعلقات عامہ، اطراف و جوانب سے حمائیت، تعاون اور تشویق کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جناب ہروی نے اپنے مقدمہ میں "الجانب الغربی ....." کے قلمی نسخوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کراچی کے قومی عجائب گھر میں بھی اس کا ایک مخطوطہ موجود ہے۔ تصحیح متن کے وقت اس نسخہ کا عکس حاصل کرنے کی متواتر کوشش کی گئی مگر "ہر خزانے کے مُنہ پر ایک سانپ بیٹھا ہوتا ہے۔" کے مصداق یہ کوشش لاحاصل رہی .... نسخہ کراچی کا اس سے بہتر مصرف اور کیا ہو سکتا تھا کہ تصحیح کے دوران اس سے مدد لی جاتی اس سے میوزیم کی نیک نامی اور شہرت میں اضافہ ہوتا۔

یہدیہم الیٰ صراط مستقیم

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

سالانہ

جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

و

اعراس مبارک

۱۱، ۱۲ ربیع الاول

بمقام

ہنجروال
ملتان روڈ۔ لاہور

شیخ الاسلام
حضرت سید ابوالفیض
قلندر علی رحؒ
سہروردی

— الداعی الخیر —

حاجی محمد یوسف

قطب عالم
حضرت میاں
غلام محمد سہروردیؒ
حیات گڑھ گجرات

سیکرٹری :۔ مرکزی مجلس سہروردیہ

آستانہ عالیہ شیخ الاسلام حضرت سید قلندر علی سہروردی
ملتان روڈ۔ لاہور فون نمبر ۳۰۲۳۴۶